مولانا محمد حنیف ندوی

علوم حدیث

حدیث اپنی آغوش فنوں پر وریں کن کن مباحث و مسائل کو لیے ہوئے ہے۔ اس کا اندازہ اس فہرست سے ہوگا جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ اس سے اس بات کا اندازہ بھی ہوگا کہ محدثین نے علوم و معارفِ سنت کا کس دقت، نظر اور وسعتِ ذہن سے مطالعہ کیا ہے۔ اس فہرست پر سرسری نظر ڈال لینے سے معلوم ہو جائے گا کہ محدثین اور نقادانِ فن نے کس جامعیت کے ساتھ ان تمام موضوعات کا جائزہ لیا ہے اور ان پر کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے، جن کے فہم و ادراک سے، حدیث و سنت کے ذخائر کو سمجھنے میں، اور اس کی گتھیوں کو سلجھانے میں مدد مل سکتی ہے۔ فہرست حسبِ ذیل ہے:

۱۔ علوِ اسناد: ایک سند ہے جسے سلسلۂ رواۃ کی ایک کڑی کہنا چاہیے اور ایک سند کا عالی ہونا ہے۔ سند کے عالی ہونے کے معنی وہ نہیں جو عوام کے ذہن میں ہیں۔ یعنی یہ کہ سلسلۂ روایت جس قدر مختصر ہوگا اور رواۃ کی تعداد جس قدر کم ہوگی، اسی نسبت سے اس میں علو ابھر آئے گا۔ اس کے برعکس علو سے مراد یہ ہے کہ کیا اس کو ایسے جلیل القدر محدث کا قرب حاصل ہے کہ جس کی ثقاہت، تثبت اور فقہ حدیث امورِ مسلّم سے ہو، چاہے رواۃ کی تعداد زیادہ ہی ہو۔ اس کا تعین دراصل تعدادِ رواۃ کے بجائے فہم و ادراک سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اس حدیث پر غور کیجیے:

اربعٌ من کن فیہ کان منافقا خالصًا۔ ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من نفاقٍ حتی یدعھا۔ اذا حدث کذب، واذا عاھد غدر، واذا وعد اخلف، واذا خاصم فجر۔

چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ پورا پورا منافق ہے اور جس میں ان میں ایک ہی پائی جائے اس میں گویا ایک گونہ نفاق پایا گیا۔ یہاں تک کہ اُسے چھوڑ دے۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔ جب کچھ بیان کرے تو جھوٹ بولے، اور جب معاہدہ کرے تو توڑ دے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو مجبوراً گالی گلوچ سے کام لے۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے - اس کے رواۃ کی تعداد سات ہے، لیکن اس کے باوجود یہ علوِ سند سے موسوم ہے کیونکہ اس میں امام حدیث سلیمان ابن مہران اور اعمش سے روایت کی گئی ہے۔
اسی طرح ہر روایت جو عبد الملک بن جریج، عبد الرحمٰن بن عمر، اوزاعی، مالک بن انس، سفیان بن سعید الثوری، شعبہ بن الحجاج، زہیر بن معاویہ اور حماد بن زید ایسے ائمہ فن سے قریب تر ہوگی، عالی کہلائے گی۔

۲- سلسلۂ روایت میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ محدث کے صدق و تثبت کا کیا عالم ہے حفظ و اتقان میں کیسا ہے، اس کے اصول کیا ہیں، کیا روایت میں محدثین کے اختیار کردہ اصولوں کا پابند ہے یا اس کے اپنے وضع کردہ اصول ہیں۔ اس میں غفلت و تہاون کی عادت تو نہیں پائی جاتی، یا ایسا تو نہیں کہ بدعات و خواہشات کا پیرو ہو - اور مزید برآں ان بدعات کا داعی بھی ہو - یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جن شیوخ سے یہ روایت کرتا ہے، ان کو اس نے دیکھا یا سنا بھی ہے یا نہیں - تحمل و ادا کے وقت کیا اس کی عمر اتنی تھی کہ اس کے سماع پر اعتبار کیا سکے - سلف اس ان اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے - اور رواۃ میں اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ راوی توحید کا قائل ہو، شریعت کا پابند ہو، اور سنت پر عمل پیرا ہو۔

۳- علوم حدیث میں، مسند کی پہچان بھی داخل ہے - اس لیے کہ محدثین کے حلقہ میں غیر مسند سے استدلال و احتجاج کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔
حدیث مسند کے معنی یہ ہیں کہ راوی اپنے شیخ سے سنے اور اس سماع کی تصریح بھی کرے، اور یہ شیخ اسی طرح اپنے شیخ سے سنے اور روایت کرے - یہاں تک کہ یہ سلسلہ آنحضرتؐ تک وسعت پذیر ہو - اس اسناد میں "اخبرت عن فلان" یا "رفعہ فلان" کے الفاظ نہیں ہونے چاہئیں - بلکہ ایسے الفاظ ہونے چاہییں جو براہِ راست سماع پر دلالت کناں ہوں۔

۴- موقوفاتِ صحابہ: علوم حدیث میں علم کی یہ نوعیت بھی خاص اہمیت کی حامل ہے موقوفات صحابہ کو اس وقت مسند کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، جب کوئی صحابی یہ بتائے کہ فلاں آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی - بعض دفعہ ایک صحابی سلسلہ روات میں اس کڑی کا ذکر نہیں کرتا، جس سے اس کا مسند ہونا ثابت ہوسکے - لیکن دوسری روایت سے اس کا مسند ہونا ثابت ہوجاتا ہے - جیسے

روح بن القاسم نے اس حدیث کو موقوفاً روایت کیا ہے: اذا لم تستحی فاصنع ما شئت (جب تم بے حیا ہو جاؤ تو جو چاہو کرو) لیکن ثوری اور شعبہ وغیرہ نے اس کڑی کی نشاندہی کی ہے جس سے یہ روایت موقوف کے دائرے سے نکل کر مسند کے دائرے میں داخل ہوتی ہے۔

۵۔ اس سے ملتی جلتی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک صحابی جس کی رفاقت و صحبت مسلم ہے یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم یوں کریں۔ یا ہمیں فلاں طرزِ عمل سے روک دیا گیا تھا۔ یا رسول اللہ کی موجودگی میں ہم یوں کیا کرتے تھے۔ اس انداز کی احادیث بھی مسانید کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ مسانید کے مؤلفین نے اس نوع کی احادیث کو اپنی تالیفات میں بیان کیا ہے۔

۶۔ صحابہ کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کا تعلق کس طبقہ سے ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو کب دیکھا۔ جوانی میں، فتح مکہ سے پہلے یا فتح مکہ کے بعد۔ یا یہ کہ کیا ان کا تعلق ان صحابہ سے ہے جو صغار اور کم سن تھے۔ محدثین نے صحابہ کو بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس علم کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ بعض مشائخ تابعی کو صحابی فرض کر لیتے ہیں، اور صحابی کو تابعی۔

۷۔ علم المراسیل: یعنی مراسیل کے بارے میں پوری پوری واقفیت رکھنا۔ مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جس میں ایک تابعی صحابی کا نام لیے بغیر یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا۔ بشرطیکہ تابعی تک سلسلۂ روایت اتصال سے اتصاف پذیر ہو۔ مراسیل حجت ہیں یا نہیں۔ اس میں دو رائیں ہیں۔ ایک گروہ ان کو حجت گردانتا ہے اور ایک گروہ حجت نہیں قرار دیتا۔

اہلِ مدینہ سے سعید بن المسیب، اہلِ مکہ سے عطا بن ابی رباح، اہلِ مصر سے سعید بن ابی ہلال، اہلِ شام سے مکحول الدمشقی، اہلِ بصرہ سے الحسن بن الحسن اور اہل کوفہ سے ابراہیم بن یزید النخعی مراسیل کے باب میں مشہور ہیں۔ لیکن ان میں سعید بن المسیب کے مراسیل کو صحت و صواب کے زیادہ قرین سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا شمار فقہائے حجاز میں ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے فقہ و ادراک میں تقدم حاصل کیا — تبع تابعین کے ارسال کو حجت قرار دیا جائے گا یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ فقہائے کوفہ میں بعض نے اس کو حجت ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نوع کے مرسل کو معضل کہنا چاہیے۔ مرسل نہیں۔

۸۔ حدیث منقطع کا علم: حدیث منقطع اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ایک راوی کے

چھوٹ جانے سے سلسلۂ اسناد میں انقطاع واقع ہو جائے۔ یہ حدیث مرسل سے مختلف ہے لیکن بہت کم حفاظ نے ان دونوں میں فرق و امتیاز کے حدود کو قائم رکھا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کی مثال ملاحظہ ہو:

حدثنا ابوعمرو عثمان بن احمد السماک ببغداد۔ حدثنا ابو ایوب بن سلمان سلمان السعدی، حدثنا عبدالعزیز بن موسیٰ اللاجونی ابو روح، حدثنا ھلال بن حق عن الجریری عن ابی العلاء وھو ابن الشخیر عن رجلین من بنی حنظلۃ عن شداد بن اوس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعلم احدنا ان یقول فی صلوٰۃ اللھم انی اسئلک الثبات فی الامور وعزیمۃ الرشد واسئلک قلباً سلیما، ولسانا صادقا واسئلک شکر نعمتک وحسن عبادتک و استغفرک لما تعلم و اعوذ بک عن شر ما تعلم و اسئلک من خیر ما تعلم۔

ہم سے حدیث بیان کی ابوعمرو عثمان بن احمد السماک نے بغداد میں، ان کا کہنا ہے، ہم سے حدیث بیان کی ابو ایوب بن سلیمان اسعدی نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان کی عبدالعزیز بن موسیٰ اللاجونی ابو روح نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان کی ہلال بن حق نے، انھوں نے الجریری سے روایت کی اور الجریری نے ابوالعلا سے، اور یہ ابن الشخیر ہیں۔ انھوں نے بنی حنظلہ کے دو شخصوں سے اور انھوں نے شداد بن اوس سے۔ انھوں نے کہا، آنحضرتؐ ہمیں نماز میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تمام امور میں ثبات قدمی کا طالب ہوں، اور رشد و ہدایت میں عزیمت کا خواہاں ہوں۔ اور قلبِ سلیم اور لسانِ صدق کا سائل ہوں۔ اور تیرے انعامات پر شکر ادا کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ اور یہ چاہتا ہوں کہ تو میری عبادت کو سنوار دے اور ان تمام لغزشوں پر بخشش کا امیدوار ہوں جنھیں تو جانتا ہے۔ نیز خیر و شر کے بارے میں جسے تو جانتا ہے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں انقطاع اس لیے واقع ہوا کہ ابوالعلا ابن الشخیر اور شداد بن اوس کے درمیان دو شخصوں کا ذکر ہے۔ جن کے بارے میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ کون ہیں۔

انقطاع کی دوسری شکل یہ ہے کہ سلسلۂ اسناد میں کسی ایک راوی کا نام نہ لیا جائے، لیکن دوسری روایات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہو، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص کون ہے۔ اس صورت میں یہ انقطاع زائل ہو جاتا ہے۔

جیسے مثلاً اس روایت میں ہے:

اخبرنا ابو العباس محمد بن احمد بن محبوب التاجر بمرو حدثنا احمد بن یسار حدثنا محمد بن کثیر انبانا سفیان الثوری حدثنا داؤد بن ابی ھند حدثنا شیخ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان یخیر الرجل بین العجز والفجور فمن ادرک ذالک الزمان فلیختر العجز علی الفجور۔

ہمیں ابو العباس محمد بن احمد بن محبوب التاجر نے بتایا، ان کا کہنا ہے ہم سے احمد بن یسار نے بیان کیا۔ ان سے محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی۔ ان کو سفیان الثوری نے بتایا۔ ان کا کہنا ہے ہم سے داؤد بن ابی ہند نے حدیث بیان کی، اور ان سے ایک شیخ نے ابی ہریرہ کے واسطہ سے روایت کی۔ ان کا کہنا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا لوگ ایک ایسے دور سے دوچار ہوں گے۔ جس میں ایک شخص کو عجز اور فجور کے بارے میں اختیار دیا جائے گا۔ سو جو شخص اس دور سے گزرے اُسے چاہیے کہ عجز کو فجور پر ترجیح دے۔ یعنی عجز کو اختیار کرے اور فجور کا مرتکب نہ بنے۔

اس کی تائید ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے اور یہ شیخ جس کا نام نہیں لیا گیا ابو عمر الجدلی ہے۔ اس نوع کے انقطاع پر محدثین میں سے وہی گروہ آگاہ ہو سکتا ہے، جو اس فن میں تبحر و مہارت رکھتا ہو۔ کیونکہ جب تک احادیث پر عبور نہ ہو یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ انقطاع کی یہ صورت کن روایات کے بل پر دور ہوتی ہے۔

انقطاع کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی راوی جب اپنے شیخ سے روایت کرے تو اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ جیسے اس حدیث میں ہے:

حدثنا ابو النضر محمد بن محمد بن یوسف الفقیہ۔ حدثنا محمد بن سلیمان الحضرمی حدثنا محمد بن سھل حدثنا عبد الرزاق قال ذکر الثوری عن ابی اسحٰق عن زید بن یثیع عن حذیفہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ولیتموھا ابابکر فقوی امین لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم۔ وان ولیتموھا علیا فھاد مھدی یقیمکم علی طریق مستقیم۔

ہم سے حدیث بیان کی ابو النضر محمد بن محمد بن یوسف الفقیہ نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن سلیمان الحضرمی نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن سہل نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان

کی عبدالرزاق نے۔ ان کا کہنا ہے ثوری نے ابو اسحاق سے روایت کی۔ انھوں نے زید بن یشیع سے روایت کی۔ اور انھوں نے حذیفہ سے۔ ان کا کہنا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر تم خلافت کا بار ابوبکر کے کندھوں پر ڈالو تو یہ قوی اور امین ثابت ہوں گے۔ یہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔ اور اگر تم اس کا اہل علی کو قرار دو، تو وہ ہادی بھی ہیں اور مہدی بھی۔ یہ تمھیں صراطِ مستقیم پر چلائیں گے۔

اس روایت کا سلسلہ اسناد اتصال لیے ہوتے ہے۔ الحضرمی اور محمد بن سہل ثقہ ہیں۔ یہاں انقطاع دو مقام پر واقع ہوا ہے۔ ایک تو عبدالرزاق نے ثوری سے نہیں سنا۔ دوسرے ثوری کا ابو اسحاق سے سماع ثابت نہیں۔

۹۔ مسلسل کا علم: حاکم نے اس کی تعریف بیان نہیں کی، بلکہ اس کی آٹھ مثالوں کی وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ہے تسلسل۔ ابن الصلاح نے البتہ اس کی تعریف سے تعرض کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عبارت ہے، رواۃ کے تسلسل اور توارد سے۔ یکے بعد دیگرے، کسی ایک صفت، لفظ یا حالت کے بارے میں۔ مثلاً سب کے سب، حدثنا یا اخبرنا کہیں۔ یا سب کے سب سمعت فلاناً کا انداز اختیار کریں۔ یا کوئی اور کیفیت بیان کریں۔ متن حدیث سے قطع نظر یہ لازم نہیں کہ یہ کیفیت یا حالت جو رواۃ تسلسل کے ساتھ بیان کریں بہرحال صحیح ہو، یعنی یہ ممکن ہے نفسِ حدیث صحیح ہو اگرچہ اس حالت یا کیفیت کا صحیح ہونا ضروری نہ ہو۔

۱۰۔ حدیثِ معنعن کو جاننا بھی علومِ حدیث میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حدیث کی اس قسم کو کہتے ہیں جس میں کوئی راوی اپنے شیخ سے اخبرنا اور حدثنا کے بجائے عن فلان کہے۔ یعنی یہ روایت فلاں شخص سے مروی ہے۔ باتفاق اہلِ نقل اس نوع کی روایت کو متصل ہی قرار دیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ رواۃ میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو تدلیس کا عادی ہو۔

۱۱۔ حدیث معضل کا جاننا۔ معضل بفتح الضاد صحیح ہے، لغۃً اس کے معنی ایسے امر کے ہوتے ہیں جو شدید اور اشکال ہو۔ امام الحدیث علی بن عبداللہ المدینی کا کہنا ہے کہ معضل ایسی روایت سے تعبیر ہے جس میں ایک سے زیادہ راوی چھوٹ جائیں۔ یہ مرسل کے مختلف شئی ہے، کیونکہ ارسال کا تعلق تابعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک طریق کے لحاظ سے روایت معضل ہو اور دوسرے طریق کے لحاظ سے متصل۔

ابن الصلاح کے نزدیک معضل سے مراد ایسی روایت ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی چھوٹ جائیں۔ یہ منقطع روایت کی ایک قسم ہے۔ منقطع اور اس میں یہ فرق ہے کہ ہر معضل روایت منقطع ہے، لیکن ہر منقطع معضل نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ تبع تابعین یا اتباع تبع تابعین میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا ابو بکرؓ اور عمرؓ نے کہا:

ابو بکر نصر السجزی کا کہنا ہے کہ وسائط کا ذکر کیے بغیر اگر کوئی راوی امام مالک کی طرح یہ کہہ دیتا ہے بلغنی عن ابی هریرة تو اس کا شمار بھی معضلات میں ہوگا۔

حاکم نے اس حدیث کو بھی معضل ٹھہرایا ہے جسے تبع تابعین میں کوئی راوی موقوفاً روایت کرتا ہے حالانکہ وہ حدیث متصل اور مسند ہے۔

حافظ عراقی نے معضل کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ ایسی روایت ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں دو راوی ساقط ہوں، چاہے صحابی اور تابعی ساقط ہوں، چاہے تابعی اور تبع تابعین میں سے کوئی ساقط ہو۔ بشرطیکہ سقوط ایک مقام پر ہو۔ اگر ایک راوی ایک جگہ چھوٹ گیا ہے، اور دوسرا راوی دوسری جگہ مذکور نہیں ہوا، تو اُسے منقطع کہیں گے معضل نہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے ایک کتاب اس موضوع پر رقم فرمائی ہے، جس میں موطا کے مرسلات منقطعات اور معضلات کو "موصولاً" بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس نوع کی سب روایات دراصل مرفوع اور مسند ہیں۔

بعض محدثین کے کلام میں معضل کا اطلاق ایسی روایت پر بھی ہوا ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں سے اگرچہ کوئی راوی ساقط نہیں ہوا۔ تاہم اس کے معنی میں اغلاق پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس موقع پر معضل کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس روایت کے فہم و ادراک میں جس کا مطلب یہ ہے کہ شدید اشکال پایا جاتا ہے۔

۱۲۔ علم المدرج: اس سے مراد یہ جاننا اور معلوم کرنا ہے کہ حدیث کے اپنے الفاظ کیا ہیں اور وہ کون سا حصہ اس میں ایسا ہے جو صحابہ کے قول سے تعلق رکھتا ہے یا کسی دوسرے راوی سے، جو اس میں تلخیص یا تشریح و توضیح کی غرض سے درج ہوگیا ہے۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے:

حدثنا ابو بکر بن اسحاق الفقیہ انبأنا عمر بن جعفر السدوسی حدثنا عاصم بن

علی حدثنا زهیر بن معاویۃ عن الحسن بن الحر عن القاسم بن مخیمرۃ قال اخذ علقمۃ بیدی
وحدثنی ان عبد اللہ اخذ بیدہ وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید عبد اللہ
وعلمہ التشھد فی الصلاۃ وقال قل التحیات للہ والصلوات فذکر التشھد قال
اذا قلت ھذا فقد قضیت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد۔

ہم سے حدیث بیان کی ابو بکر بن اسحاق الفقیہ نے، ان کا کہنا ہے ہمیں بتایا عمر بن جعفر السدوسی نے، ان کا کہنا ہے ہم سے حدیث بیان کی عاصم بن علی نے، ان سے حدیث بیان کی زہیر بن معاویہ نے، انھوں نے روایت کی الحسن بن الحر سے، اور انھوں نے روایت کی القاسم بن مخیمرہ سے۔ ان کا کہنا ہے، ما تنا کے روایت میں علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ عبد اللہ نے جب حدیث بیان کی تو انھوں نے بھی میرا ہاتھ پکڑا، اسی طرح آنحضرتؐ نے عبد اللہ کا ہاتھ پکڑا اور تشہد سکھایا۔ کہا جب تم التحیات پڑھ چکو تو تم فارغ ہو۔ تمھاری نماز ہو چکی اب چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور چاہو تو بیٹھے رہو۔

اس میں تشہد سکھانے کا ذکر ہے وہ تو معنی حدیث سے متعلق ہے اور جہاں اس کا ذکر ہے کہ جب تم التحیات پڑھ چکو تو تم فارغ ہو، تو یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس کی تائید شبانہ بن سوار کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ زیادت عبد اللہ بن مسعود کی جانب سے ہے۔ دارقطنی نے شبانہ کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ یہ لائق اعتماد ہے۔

ادراج کی تین قسمیں ہیں۔ کبھی یہ حدیث کے اول میں واقع ہوتا ہے، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں۔

ابن سمعانی کا کہنا ہے کہ قصداً ادراج جائز نہیں۔ الا یہ کہ تلخیص یا تشریح کے نقطۂ نظر سے ہو۔ یعنی اگر کوئی جان بوجھ کر ادراج کا مرتکب ہوگا تو وہ ساقط العدالت قرار پائے گا۔

(۱۳) تابعین کے بارے میں علم و آگاہی: علم و ادراک کی یہ نوعیت اس لیے اہمیت لیے ہوئے ہے کہ جو شخص تابعین اور ان کے طبقات سے آگاہ نہیں ہے، اس سے اس سہو و تساہل کا امکان ہے کہ تابعی کو صحابی قرار دے دے، یا صحابی کو تابعی سمجھ لے۔ یا یہ کہ تابعین اور تبع تابعین میں جو فرق واقع ہے کے حدود میں ان کو قائم نہ رکھ سکے۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۱۰۰ توبہ)

اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی - اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں - ہمیشہ ان میں رہیں گے - یہ بڑی کامیابی ہے -

حدیث میں ہے:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم -

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جنھوں نے میرا زمانہ پایا - اس کے بعد ان کا درجہ ہے، جو ان سے ملے ہوئے ہیں اور اس کے بعد اس قرن کے لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں -

اس حدیث سے صحابہ اور تابعین کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے -

تابعین میں طبقۂ اولیٰ میں ان لوگوں کا شمار ہوتا ہے جنھوں نے صحابہ میں سے عشرہ مبشرہ کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا - جیسے سعید بن المسیب، قیس ابن ابی حازم، ابوعثمان النہدی، قیس بن عباد، ابوساسان حصین بن المنذر، ابو وائل شقیق بن سلمہ اور ابو رجاء العطاردی -

طبقۂ ثانیہ ان لوگوں پر مشتمل ہے: الاسود بن یزید، علقمہ بن قیس، مسروق بن الاجدع، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور خارجہ ابن زید -

طبقۂ ثالثہ کا اطلاق جن لوگوں پر ہوتا ہے ان کے نام یہ ہیں: عامر بن شراحیل الشعبی، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور شریح بن الحارث -

"تابعین ہی کے زمرہ میں ان لوگوں کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے، جنھوں نے جاہلیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا - آنحضرت کا زمانہ بھی پایا - لیکن شرف صحبت سے محروم رہے - جیسے ابو رجا العطاردی، ابو وائل الاسدی، سوید بن غفلہ اور ابوعثمان النہدی -

تابعین کتنے طبقات میں انقسام پذیر ہیں - اس میں اختلاف رائے ہے - مسلم نے کتاب الطبقات میں ان کی تعداد تین بتائی ہے - ابن سعد نے چار کی نشاندہی کی ہے، اور حاکم نے پندرہ کی -

۱۵- اتباع تابعین سے متعلق جاننا: تابعین کے بعد تبع تابعین کا درجہ ہے - صحابہ کے بعد

اس طبقہ کو طبقہ ثالثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات ناواقفی کی وجہ سے تبع تابعین کو، ان کی علمی جلالت قدر اور شہرت کی بنا پر تابعی خیال کر لیتے ہیں اور ان کے مرویات کو مرسلات کے زمرہ میں شمار کرنے لگتے ہیں۔ اس غلط فہمی اور اشتباہ سے دامن کشاں رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں اور تابعین میں فرق و امتیاز کے حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔

تبع تابعین میں، الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا نام نامی بھی ہے۔ ان کو الحسین الاصغر بھی کہا جاتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ سلیمان الاحول، اور سلیمان بن عبدالرحمٰن الدمشقی وغیرہم اس طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۵۔ اکابر کا اصاغر سے روایت کرنا: علم کی یہ نوعیت بہت اہم ہے، محدثین علیہ الرحمۃ، بسا اوقات ان لوگوں سے بھی اخذ روایت کرتے ہیں جو مرتبہ میں ان سے کم درجہ کے حامل ہوں۔ اس لیے کہ محدث کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ بلا امتیاز ہر اس شخص سے اخذ روایت کرے جس کے پاس یہ روایت موجود ہو—— چاہے وہ اس سے اونچے درجہ کا ہو، چاہے مساوی درجہ کا ہو۔ اور چاہے کم درجہ کا۔ اس سے یہ شبہ ابھرتا ہے کہ شاید مروی عنہ کا مقام، راوی سے اونچا ہے حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً، لیث اگر عبداللہ بن صالح سے روایت کریں۔ یا ابن جریج ابن العلیہ سے روایت کریں۔ تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ عبداللہ بن صالح، یا ابن العلیہ، لیث اور ابن الجریج سے رتبہ میں فائق ہیں۔

۱۶۔ اولاد وصحابہ کے بارے میں علم: سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آنحضرتؐ کی اولاد میں کون کون لوگ شامل ہیں اور کن سے روایت کرنا چاہیے۔ کیونکہ جہاں تک مرویات اہل بیت کا تعلق ہے اس میں کوئی دو سو کے قریب مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اس کے بعد صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین کی اولادیں آتی ہیں۔ ان سب کے بارے میں متعلمِ حدیث کے لیے جاننا ضروری ہے۔ تاکہ روایت کی صحت و تثبت سے متعلق وثوق سے کوئی بات کہی جاسکے۔

۱۷۔ اصح الاسانید کون کون ہیں: محدث کے لیے عدالت شرط ہے۔ عدالت کے معنی یہ ہیں کہ محدث مسلمان ہو، بدعات کا حامی نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر یہ حافظِ حدیث بھی ہے تو اس سے اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ محدثین صحابہ سے چونکہ مختلف طرق سے مرویات نقل

کرتے ہیں، اس لیے یہ فیصلہ کرنا ازدیادِ علم کا باعث ہے کہ اسناد میں اجود، اور صحیح تر سند کون ہے۔
ائمہ حدیث کے حلقوں میں اس امر میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ امام بخاری کی یہ رائے ہے کہ اصح الاسانید کا اطلاق ان روایات پر ہوتا ہے، جن میں مالک نافع سے اور نافع ابن عمر سے روایت کریں۔ ابو بکر بن ابی دارم نے اپنے بعض شیوخ کی وساطت سے ابوبکر بن ابی شیبہ کا یہ قول کیا ہے کہ اصح الاسانید میں روایت کے وہ تمام طرق شامل ہیں جن میں زہری، علی بن الحسین سے روایت کریں اور علی بن الحسین اپنے باپ سے روایت کریں اور ان کے باپ حضرت علی سے روایت کریں۔

احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی المدینی نہ صرف اونچے درجے کے محدث ہیں بلکہ ان کا شمار بلند پایہ نقادانِ فن میں بھی ہوتا ہے۔ ان میں ایک مرتبہ اس سوال پر مذاکرہ ہوا کہ اجود الاسانید کون کون ہیں۔

احمد بن حنبل کا کہنا تھا کہ وہ تمام اسناد اجود و اصح ہیں جنھیں زہری سالم سے اور سالم اپنے باپ سے روایت کریں۔ اور علی المدینی کی رائے تھی کہ اجود الاسانید کا اطلاق ان مرویات پر ہوتا ہے، جن میں ابن عون محمد سے روایت کریں اور محمد عبیدہ سے روایت کریں اور عبیدہ حضرت علی سے۔

اہلِ بیت کے مرویات میں سے ان روایات کو اصح قرار دیا گیا ہے جو جعفر صادق سے بواسطہ محمد مروی ہوں، بشرطیکہ محمد اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے اور ان کے دادا حضرت علی سے روایت کریں۔

چونکہ حضرت صادق کی طرف بہت سی غلط روایات منسوب بھی کر دی گئی ہیں، اس لیے اس سلسلہ میں یہ احتیاط ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو، اور اس کا دامنِ فکر و عمل، غلو اور بدعات کے ارتکاب سے داغدار نہ ہو۔

۱۸۔ ناسخ و منسوخ کا علم : اس سے مقصود اس امر کا جاننا ہے کہ کس خاص مسئلہ میں آنحضرت نے آخر آخر کیا روش اختیار کی ہے اور کس سابقہ قول و عمل کو منسوخ ٹھہرایا ہے۔
ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

توضؤا مما غیرت النار۔ ان چیزوں کے کھانے کے بعد وضو کرو، جن میں آگ نے تغیر پیدا کیا ہے۔ یعنی جو چیزیں آگ پر پکائی یا تیار کی گئی ہیں، ان کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ قول ابتدا میں معمول بہ تھا۔ جابر سے روایت ہے:

کان آخر الامرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار۔

اس باب میں آپ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ اس طرح کی چیزوں کے استعمال سے وضو کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ ائمہ حدیث کے حلقوں میں جانا بوجھا مسئلہ ہے اور اس کی کئی مثالیں کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

۱۹۔ الفاظ غریبہ کا علم: متون حدیث میں بعض ایسے الفاظ بھی آتے ہیں جو لغۃً غریب یا غیر مانوس ہیں، ان کی نشاندہی کرنا بھی فن حدیث کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے۔ تبع تابعین میں سے مالک، ثوری اور شعبہ نے اس فن پر خصوصیت سے گفتگو کی ہے۔ اول اول جن لوگوں نے اس موضوع پر کھل کر اظہار خیال کیا، ان میں نضر بن شمیل اور ابو عبید القاسم بن سلام کا نام سرفہرست ہے۔ بعض کی رائے میں اس فن سے متعلق پہلے پہل ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ نے ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد اسی موضوع پر عبد الملک بن قریب الاصمعی نے اظہار خیال کیا، اور دوسری صدی کے بعد اسی فن پر مطرب کی ایک تصنیف کا بھی پتا چلتا ہے۔

۲۰۔ احادیث میں افراد کا علم: اس کا مطلب یہ ہے کہ روایات میں اس بات کا جاننا کہ کہاں کہاں ان میں تفرد و اختصاص واقع ہوا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کسی ایک سنت کے بارے میں کسی صحابی سے ایک ہی شہر کے رواۃ روایت کریں۔ جیسے کوفہ، بصرہ، مدینہ، شام، مکہ اور خراسان۔

(۲) ایسی روایات میں جو کسی ایک راوی سے مروی ہوں۔

(۳) ایسی روایات جن میں اہلِ مدینہ مثلاً اہل مکہ سے منفرد ہوں یا اہلِ خراسان اہلِ حرمین سے مختلف روش اختیار کریں۔

۲۱۔ مدلسین سے متعلق جاننا: یعنی ان روایات کے بارے میں علم و معرفت حاصل کرنا، جن میں رواۃ نے تدلیس سے کام لیا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ انھوں نے جو روایات لکھی ہیں ان میں باقاعدہ سماع ثابت ہے یا نہیں۔ تابعین اور تبع تابعین وغیرہم کی ایک جماعت نے تدلیس اختیار کی ہے۔ امیر عبداللہ نے اس کو چھ خانوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) مدلسین کا وہ گروہ جس نے ثقات کے بارے میں تدلیس کی۔

(۲) ایسی روایات جن میں اس بات کا ذکر تو ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے کہا لیکن ان میں سماع کی وضاحت نہیں ہوتی۔ اِلّا یہ کہ بہ اصرار ان سے دریافت کیا جائے اور مراجعہ و مذاکرہ سے کام لیا جائے، اس صورت میں یہ بتا دیں کہ انھیں سماع حاصل ہے۔

(۳) ایسے اشخاص کے بارے میں تدلیس اختیار کی جائے، جو مجہول ہیں۔ یعنی نہ تو یہ معلوم ہو کہ یہ کون ہیں۔ اور نہ یہ معلوم ہو کہ ان کا تعلق کس جگہ سے ہے۔ مجہولین سے بہت سے حضرات نے روایت کی ہے۔ جن میں سفیان الثوری، شعبہ ابن الحجاج اور بقیہ بن الولید جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں۔ بقیہ کے بارے میں خصوصیت سے امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اگر یہ مشہورین سے روایت کریں تو ان کی روایت مقبول ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۴) ایک گروہ ایسا ہے، جس نے ایسے اشخاص سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، جن پر محدثین نے جرح کی ہے۔ انھوں نے روایات میں تدلیس سے بھی کام لیا ہے اور جن سے روایت کی ہے ان کے ناموں اور کنیتوں کو بھی بدل دیا ہے تاکہ انھیں پہچانا نہ جا سکے۔

(۵) تدلیس کی ایک شکل یہ ہے کہ بعض واقف بعض شیوخ سے بہت کچھ سنا، لیکن کچھ چیزیں ذہن کی گرفت سے نکل گئیں۔ لہٰذا انھیں تلافیِ مافات کے لیے تدلیس کی آڑ لینا پڑی۔ اس صورت میں حذاقِ فن کا یہ ... بتائیں کہ روایت کا کون حصہ سماع سے بہرہ مند ہے اور کون حصہ سماع سے محروم ہے۔

(۶) بعض رواۃ نے ایسے شیوخ سے روایت کی جن کو نہ تو انھوں نے دیکھا اور نہ سنا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے اقوال کو سماع پر محمول کیا گیا، حالانکہ ان شیوخ سے ان کا سماع بالکل ثابت نہیں۔

اس تقسیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تدلیس کے کئی درجات و مراتب ہیں اور ہر درجے کا حکم متعین و مختلف ہے، اور اس بات کا فیصلہ کرنا کہ تدلیس کن کن صورتوں میں گوارا ہے اور کن کن صورتوں میں گوارا نہیں، محدثین میں سے ماہرینِ فن کا کام ہے۔

بلادِ اسلامی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اہلِ حجاز اور اہلِ مصر، تدلیس کے مطلق قائل نہیں۔

اسی طرح اہلِ خراسان اور اہلِ جبال یا اصبہان اور بلاد فارس و خوزستان کے محدثین میں مدلس پائے نہیں جاتے۔ ہاں اہلِ کوفہ میں تدلیس البتہ عام ہے۔ اہلِ بصرہ میں سے کچھ لوگوں نے تدلیس اختیار کی ہے۔ بغداد کا دامن بھی جو عروس البلاد ہے اور جس نے جلیل القدر محدثین پیدا کیے، تدلیس کے داغ سے پاک ہے۔ اس میں طبقہ سابعہ کا صرف ایک شخص الباغندی ہے جو تدلیس سے متہم ہے۔

علومِ حدیث کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں مذکور مباحث کے علاوہ اور مباحث بھی ہیں جن سے محدثین نے تعرض کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ روایات میں شذوذ کے کیا معنی ہیں۔ سنن کے بارے میں اگر دو متعارض روایات ہوں جو صحت و سقم میں برابر ہوں تو اصحاب مذاہب کیونکر ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔ ایسی کون سی روایات ہیں جو تعارض سے مبرا ہیں۔ اگر کوئی راوی کسی روایت میں فقہی الفاظ کا اضافہ کرتا ہے تو اس کا حکم کیونکر ہوتا ہے۔ اخذِ علم سے متعلق محدثین کن اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مذاکرہ حدیث کی کیا اہمیت ہے۔ اسناد میں کہاں کہاں تصحیفات رونما ہیں۔ رواۃ میں وہ کون لوگ شامل ہیں جو رشتہ اخوت میں منسلک ہیں۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں وہ کون حضرات ہیں جن سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہے۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے روایت کرنے والوں کا تعلق کن قبائل و شعوب سے تھا۔ یا یہ کہ محدثین کے اسماء و کنیتیں کیا کیا ہیں۔ روایات میں موالی اور ان کی اولادوں کا کیا حصہ ہے۔ رواۃِ حدیث کی عمروں کی کیا کیفیت ہے۔ تابعین اور تبع تابعین میں سے کون کون ہم عصر ہیں۔ آنحضرت کے مغازی و سرایا کی تعداد کتنی ہے؟ وغیرہ۔

(ماخذ: توجیہ النظر الی اصول الاثر۔ تالیف طاہر بن صالح بن احمد الجزائری الدمشقی)